International Research Journal of Arabic and Islamic Studies, Vol.:04, Issue: 01, Jan-Jun 2024
PP: 59 -92

OPEN ACCESS
IRJAIS
ISSN (Online): 2789-4010
ISSN (Print): 2789-4002
www. irjais.com

فن سیر ومغازی میں متفرد سیرت نگار: منتخب اہل سیر کا جائزہ

Unique Biographical and Historical Account in Art of Seerah and Maghazi: A Review of Selected Biographers

Hafiz Imran
Lecturer, Mehran University of Engineering and Technology Jamshoro, Pakistan
Hafiz Muhammad Zeeshan Shabbir
M.Phil Islamic Studies (Institute of Southern Punjab, Multan) EST Arabic

Abstract

This abstract provides an overview of a study examining the distinctive approaches of renowned biographers in the field of Seerah (biography of Prophet Muhammad) and Maghazi (Islamic military campaigns). Through a comprehensive analysis of selected biographers, this research sheds light on their methodologies, narratives, and contributions to the understanding of Islamic history. The study delves into key themes such as authenticity, narrative style, and interpretive frameworks employed by these scholars. It explores how each biographer brings a unique perspective to the subject matter, enriching the discourse with diverse insights and interpretations.

Keywords:Seerah,Maghazi,biography, historical account, methodology, narrative style, Islamic history, biographers, authenticity, interpretation

تعارف موضوع

ابن عبد البرؒ (م463ھ) پانچویں صدی ہجری کے اہم سیرت نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی کتاب "الدرر فی اختصار المغازی والسیر" ماخذ سیرت کے طور پر متاخرین کے لیے آج بھی اہمیت کی حامل ہے۔ سرزمین اندلس میں آپ سیرت و مغازی کے اولین رجال میں شامل ہیں۔ جہاں آپ ایک سیرت نگار ہیں وہیں بلند پایہ محدث بھی ہیں۔ آپؒ کو حافظ مغرب کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا لقب ہے جو حدیث کے ماہر، حافظ اور ایسے شخص کو عطا کیا جاتا ہے جو علم و اخلاق میں درجہ کمال کو پہنچ چکا ہو۔ ابن عبد البر نے سیرت نگاری میں جو انفرادیت پیدا کی اس کا خاصہ اختصار و جامعیت ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ سیرت کے ضمن میں علامہ ابن عبد البر کے بعض منفرد خیالات بھی ہمیں ملتے ہیں. جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ابن عبد البر کے تفردات ہیں انہوں نے مشہور قول کی مخالفت کی ہے اور اس ضمن میں اپنی رائے پیش کی ہے۔

CC BY

ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تفردات کیا ہیں اور ان کے متعلق ابن عبد البر کا نقطہ نظر کیا ہے؟ یہ خیالات چونکہ فقہ وحدیث کے ایک بلند پایہ اور جلیل القدر عالم کے ہیں، اس لیے عام اور مشہور رائے سے مختلف ہونے کے باوجود بھی بڑا وزن رکھتے ہیں۔ آپ کے انہی خیالات کو آپ کے تفردات کہا جاتا ہے لیکن ابن عبد البر کا حدیث اور احکام میں اگر علمی پایہ دیکھا جائے تو یہ منفرد خیالات آپ کے تفردات کے بجائے آپ کے ممیزات دکھائی دیتے ہیں۔ ان تفردات میں نزول وحی کی ابتدائی آیات کے حوالے سے اختلاف ہے کہ کیا سب سے پہلے سور علق کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں یا سورہ مدثر کی؟ ابن عبد البر نے معروف رائے سے ہٹ کر سورہ مدثر کی آیات کو ابتدائی آیات کے طور پر بیان کیا ہے دوسرا تفرد حضرت عائشہؓ کے قبول اسلام میں اولیت کے حوالے سے ہے اس میں بھی ابن عبد البر مختلف رائے رکھتے ہیں فرماتے ہیں کہ وہ اولین اسلام لانے والوں میں شامل ہیں۔ اس طرح ان کے ہاں بعثت کے وقت حضرت عائشہ کی عمر تقریباً 4 سال بنتی ہے جب کہ معروف قول یہی ہے کہ مدینہ میں 9 سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی۔ تیسرا تفرد رمضان کے روزوں کی فرضیت کے متعلق ہے۔ ابن عبد البر نے مشہور قول سے ہٹ کر رائے اختیار کی ہے مشہور قول ہے کہ روزے ہجرت کے اٹھارویں ماہ میں فرض ہوئے لیکن ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ہجرت کے پہلے سال قبلہ کی تبدیلی سے پہلے روزے فرض ہوئے۔ چوتھا تفرد غزوہ خیبر کی فتح کے حوالے سے ہے کہ یہ فتح قہراً تھی یا صلحاً اس بارے میں بھی ابن عبد البر نے مشہور رائے سے مختلف رائے اختیار کی ہے کہتے ہیں کہ تمام خیبر بزور بازو فتح ہوا جو بھی کہتے ہیں کچھ بزور بازو اور کچھ فتح صلح سے ہوئی یہ بات درست نہیں ہے۔ پانچواں تفرد غزوہ بنو مصطلق کے وقوع کے بارے میں ہے۔ مشہور قول تو یہی ہے کہ یہ غزوہ 5 ہجری میں ہوا لیکن ابن عبد البر کہتے ہیں کہ غزوہ مصطلق 6 ہجری ماہ شعبان میں ہوا تھا۔ چھٹا تفرد غزوہ قرقرہ الکدر اور غزوہ سویق کے متعلق ہے۔ اکثر سیرت نگاروں کی رائے ہے کہ یہ دو مختلف غزوات ہیں لیکن ابن عبد البر ان دونوں کو ایک ہی غزوہ شمار کرتے ہیں۔ ذیل میں مذکورہ تفردات کا مباحث کی صورت میں جائزہ لیا گیا ہے۔

مبحث اول: تعارف مصنف و کتاب

(الف) تعارف مصنف

آپ کا نام یوسف، کنیت ابو عمر اور عرفیت ابن عبد البر ہے۔ آپ کا پورا نام یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمری، الاندلسی، المالکی، القرطبی ہے۔[1]

آپ کی پیدائش بروز جمعہ 25 ربیع الثانی 368ھ کو قرطبہ میں ہوئی۔[2] ابو حسن طاہر بن مغفور المغافری کہتے ہیں کہ مجھے ابن عبد البر نے اپنی تاریخ پیدائش کے بارے میں بتایا تھا کہ آپ کی تولید جمعہ کے روز اس وقت ہوئی جب جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا۔[3] ابن عبد البرؒ کا شمار شہرہ آفاق سیرت نگاروں میں ہوتا ہے۔ آپ مجموعہ کمالات اور جامع صفات شخصیت تھے۔ آپ

نے ایک طرف تو درس و تدریس اور قضاء و افتاء کے ساتھ بیشمار تشنگان علم کو سیر اب کیا تو دوسری طرف تصانیف و تالیف کا ایک ضخیم ذخیرہ بھی آپ کے علمی تبحر، جلالت شان اور عظمت پر شاہد ہے اور ہمیشہ یادگار رہے گا۔[4]

ابن عبد البرؒ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب پر گہری دسترس رکھتے تھے۔ آپ کی سیرت پر معروف کتاب "الدرر فی اختصار المغازی والسیر" ہے لیکن ابن عبد البرؒ نے اپنی دیگر کُتب میں بھی مباحث سیرت کو ذکر کیا ہے۔ خاص کر آپ کی کتاب "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" جو کہ تعارف صحابہ پر ایک مستند اور جامع کتاب ہے۔ آپ نے اس کے مقدمے میں سیرت طیبہ کا ابتدائی حصہ بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جس میں نبی کریم ﷺ کی پیدائش، نسب، نام، فضائل، نکاح اور وفات سے متعلق کچھ ایسی معلومات درج کی ہیں کہ جس سے کوئی بھی اہل علم ناواقف نہیں رہ سکتا، صحابہ کرامؓ جس صحبت صالحہ و عظمیٰ سے فیض یاب ہوئے، عالم اور متعلم دونوں کا ذکر ایک ساتھ کیا تاکہ اس میں رغبت پیدا ہو[5]

علامہ ابن عبد البر نے مختلف علوم پر قلم اٹھایا اور اپنی زندگی میں ہی مشرق و مغرب میں مشہور ہوگئے۔ آپؒ ایک متقن و محتاط محدث، ماہر انساب اور علم و ادب میں یگانہ روزگار تھے۔ اہل علم آپؒ کی قابلیت اور اوصاف حمیدہ کے قائل ہیں۔ آپؒ کو حافظ مغرب کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا لقب ہے جو حدیث کے ماہر، حافظ اور ایسے شخص کو عطا کیا جاتا ہے جو علم و اخلاق میں درجہ کمال کو پہنچ چکا ہو۔ آج ہمارے ہاتھوں میں ابن عبد البرؒ کی کتابیں جو مختلف علوم پر مشتمل ہیں ان کے علمی مقام و مرتبے کی غماز اور مستند اسلامی کتب خانے پر ان کی امامت کی دلیل ہیں۔[6]

(ب) تعارف کتاب

ابن عبد البرؒ کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ جہاں وہ ایک سیرت نگار ہیں وہیں وہ ایک بلند پایہ محدث بھی ہیں۔ علم حدیث میں ان کی خدمات کا منہ بولتا ثبوت **"جامع بیان العلم وفضله وما ينبغى فى روايته و حمله، كتاب التمهيد لما فى المؤطا من المعانى والاسانيد، الاجوبة الموعبة فى المسائل المستغربةفى كتاب البخارى۔"** جیسی اہم کتابیں ہیں۔ ان کتابوں میں اگرچہ سیرت طیبہ کے بہت سے مباحث موجود ہیں لیکن ابن عبد البرؒ کی سیرت پر مشہور تصنیف **"الدرر فى اختصار المغازى والسير"** ہے اور **"الاستيعاب فى معرفة الاصحاب"** کا مقدمہ سیرت کے حوالے سے ایک مستند حیثیت کا حامل ہے۔ الدرر کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ محدثین اور اہل سیر کی روایات کا حسین امتزاج ہے۔ اس میں اہل سیر اور محدثین دونوں کی روایات سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا اہم ترین تعارف یہی ہے کہ یہ استناد کے باوجود اختصار کا مرقع ہے۔ الدرر مکمل مرتب کتاب دکتور شوقی ضیف کے مقدمے اور فہرست وغیرہ کے صفحات شامل کر کے 357 صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن باوجود اس اختصار کے کتاب کا آغاز بعثت نبوی اور پھر مشرکین مکہ کو رسول اللہ ﷺ کی جانب سے دعوت اسلام کے بیان سے ہوتا ہے اور دنیا

سے رخصت ہونے تک کے تمام اہم ترین واقعات و حالات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ کتاب ضخیم نہیں ہے لیکن پھر بھی بعض ایسی تفصیلات موجود ہیں جو عام طور پر طویل کتب میں بھی بیان نہیں ہوئیں۔ ابن عبد البر الدرر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ اس کتاب میں میں نے نبی کریم ﷺ کی بعثت، عہد نبوی کے ابتدائی حالات، غزوات اور ان میں آپ ﷺ کے طریق کار کا ذکر انتہائی اختصار کے ساتھ کیا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت ، پرورش ،نسب، رضاعت، ہجرت اور وفات کا ذکر ہم نے صحابہ کے حالات پر اپنی کتاب کے شروع میں کیا ہے۔ یہ کتاب بعثت اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات اور حالات پر لکھی ہے۔ لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کی ترتیب مکمل طور پر ابن اسحاق کے طرز پر رکھی ہے۔ آپ ﷺ کے غزوات اور جہاد کے ذکر میں جو بات میرے پیش نظر تھی وہ یہ کہ اختصار سے کام لیا جائے تاکہ واقعات آسانی سے ذہن نشین ہو جائیں۔ حشو وزوائد اور مختلف بحثوں کو گڈ مڈ کرنے کے بجائے صرف اہم اور نمایاں باتوں پر اکتفاء کیا جائے۔[7]

ممتاز تصورات

سیرت کے ضمن میں ابن عبد البر کے بعض منفرد خیلات بھی ہمیں ملتے ہیں یہ خیالات چونکہ فقہ وحدیث کے ایک بلند پایہ اور جلیل القدر عالم کے ہیں، اس لیے عام اور مشہور رائے سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں ان کا بڑا وزن ہے۔ آپ کے انہی خیالات کو آپ کے تفردات کہا جاتا ہے لیکن ابن عبد البر کا حدیث اور احکام میں اگر علمی پایہ دیکھا جائے تو یہ منفرد خیالات آپ کے تفردات کے بجائے آپ کے ممیزات دیکھائی دیتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان ممیزات کا جائزہ لیتے ہیں۔

مبحث دوم۔۔۔ابن عبد البر کے تفردات

(الف) وحی کی شروعات: پہلی وحی کا تجزیہ

الدرر فی اختصار المغازی والسیر" کا پہلا باب بعثت نبوی پر ہے لیکن اس میں پہلی وحی کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ علق کے بجائے سورۃ المدثر کے نزول کا ذکر کرتے ہیں اور یحیٰ بن ابی کثیر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> **قَالَ: سألتُ أبا سَلمَةَ بنِ عَبد الرحمن: أي القرآنَ أنزل أول؟ فقالَ: سألتُ جابر بن عبد الله؛ أي القرآن أنزل قبل: يا أيها المدثر أو اقرأ باسم ربك الذي خلق ؟ فقال جابر: ألا أحدثكم بما حدثني به رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إني جاورت بحراء شهرا فلما قضيت جواري نزلت فاستبطنت بطن الوادي، فنوديت فنظرت أمامي وخلفي وعن يميني وشمالي فلم أر شيئا، ثم نظرت إلى السماء، فإذا هو على العرش في الهواء، فأخذتني رجفة، فأتيت خديجة، فأمرتهم فدثروني، ثم صبوا علي الماء،[8] فأنزل**

الله عز وجل: يا أيها المدثر، قم فأنذر، وربك فكبر، وثيابك فطهر، والرجز فاهجر۔"[9]

" انہوں نے کہا کہ میں نے ابو سلمہ سے پوچھا کہ قرآن مجید کی کون سی آیت ہے جو سب سے پہلے نازل ہوئی ؟ تو ابو سلمہ نے کہا کہ میں نے جابر بن عبد اللہ سے دریافت کیا تھا کہ قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے پہلے نازل ہوئی تھی: یاایھاالمدثر یا اقراء باسم ربک الذی خلق ؟ تو انہوں نے فرمایا کیا میں تمہیں وہی کچھ بتاؤں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے غار حرا میں ایک ماہ تنہائی اختیار کی اور جب میں یہ مدت پوری کر کے نیچے وادی کے درمیان میں پہنچا تو مجھے کسی نے میرے نام سے پکارا میں نے اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا تو مجھے کوئی دیکھائی نہ دیا پھر میں نے اوپر دیکھا تو جبرائیل مجھے آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے دکھائی دیے انہیں دیکھ کر میرے اوپر کپکپی طاری ہو گئی۔ پھر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ مجھ پر کپڑا اوڑھا دو اور میرے اوپر پانی ڈالو۔ پھر یہ آیات نازل ہوئیں۔"

"اے محمد ﷺ کمبل اوڑھنے والے اٹھیے اور ڈرایئے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے اور اپنے کپڑے پاک رکھیے اور گندگی سے دور رہیے۔"

ابن عبد البر نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے اور الدرر میں اسے ذکر کیا ہے۔ جب کہ اکثر سیرت نگاروں نے سورۃ علق کی پہلی پانچ آیات کو ہی پہلی وحی شمار کیا ہے اور یہی مشہور قول بھی ہے۔ ذیل میں ہم چند سیرت نگاروں کی آراء کا ذکر کرتے ہیں۔"

ابن ہشام فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَجَاءَنِي جِبْرِيلُ، وَأَنَا نَائِمٌ، بِنَمَطٍ مِنْ دِيبَاجٍ فِيهِ كِتَابٌ ، فَقَالَ اقْرَأْ، قَالَ: قُلْتُ: مَا أَقْرَأُ ؟ قَالَ: فَغَتَّنِي بِهِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ الْمَوْتُ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ: اقْرَأْ، قَالَ: قُلْتُ: مَا أَقْرَأُ؟ قَالَ: فَغَتَّنِي بِهِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ الْمَوْتُ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ: اقْرَأْ، قَالَ: قُلْتُ: مَاذَا أَقْرَأُ؟ قَالَ: فَغَتَّنِي بِهِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ الْمَوْتُ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي ، فَقَالَ: اقْرَأْ، قَالَ: فَقُلْتُ: مَاذَا أَقْرَأُ؟ مَا أَقُولُ ذَلِكَ إِلَّا افْتِدَاءً مِنْهُ أَنْ يَعُودَ لِي بِمِثْلِ مَا صَنَعَ بِي، فَقَالَ: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ .عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ[10]

"آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرائیل میرے پاس ایسے وقت میں آئے کہ جس وقت میں سو رہا تھا ۔اور ایک کپڑا لائے جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ پھر کہا کے پڑھیے میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو انہوں نے مجھے پکڑ کر بھینچا یہاں تک کہ مجھے لگا بس اب میری موت ہے پھر انہوں نے مجھے کہا

پڑھیے میں نے کہا میں پڑا ہوا نہیں ہوں پھر انہوں نے مجھے پکڑ کر بھینچا اور مجھے لگا کہ بس اب موت ہے۔ پھر انہوں کہا کہ پڑھیے میں نے کہا کیا پڑھوں ؟ اور یہ میں نے اس لیے کہا کہیں وہ پھر میرے ساتھ ویسا ہی معاملہ نہ کریں جو انہوں نے پہلے کیا تھا۔"

پھر انہوں نے کہا: " اے نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بہت کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔"

علامہ برہان الدین حلبی (م1044ھ) اپنی کتاب "انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون" میں پہلی وحی کے بارے میں لکھتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «فجاءني وأنا نائم بنمط» وهو ضرب من البسط، وفي رواية «جاءني وأنا نائم بنمط من ديباج، فيه كتاب أي كتابة، فقال اقرأ، فقلت: ما أقرأ» أي أنا أمي لا أحسن القراءة أي قراءة المكتوب أو مطلقا «فغطني، أوفغتني» بالتاء بدل من الطاء به: أي غمني بذلك النمط، بأن جعله على فمه وأنفه قال: حتى ظننت أنه الموت، ثم أرسلني فقال اقرأ أي من غيرهذا المكتوب، فقلت: ماذا أقرأ وما أقول ذلك إلا افتداء منه: أي تخلصا منه أن يعود لي بمثل ما صنع أي إنما استفهمت عما أقرؤه ولم أنف خوفا أن يعود لي بمثل ما صنع عند النفي: أي وفي رواية «فقلت والله ما قرأت شيئا قط، وما أدري شيئا أقرؤه» : أي لأني ما قرأت شيئا فهو من عطف السبب على المسبب قال: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ - خَلَقَ الْإِنْسانَ مِنْ عَلَقٍ - اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ - الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ - عَلَّمَ الْإِنْسانَ ما لَمْ يَعْلَمْ۔[11]

" آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جبرائیل میرے پاس ایک ریشمی کپڑا لیے ہوئے آئے جس میں ایک کتاب تھی یعنی ایک تحریر تھی جب کہ میں سو رہا تھا۔ انہوں کہا کہ پڑھیے میں نے جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا یعنی لکھا ہوا نہیں پڑھ سکتا۔ اس پر انہوں نے مجھے اپنے سینے سے ملا کر بھینچا، اس کپڑے سمیت اس طرح بھینچا کہ وہ کپڑا آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے منہ اور ناک کو چھو رہا تھا۔ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں کہ جبرائیل نے مجھے اس قدر زور سے بھینچا کہ مجھے لگا بس موت ہے۔ پھر انہوں مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ اس لکھے ہوئے کے بغیر ہی پڑھو اس پر میں نے کہا کہ میں کیا پڑھوں، آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں کہ یہ میں نے اس لیے کہا کہ کہیں جبرائیل مجھے دوبارہ نہ بھینچ دیں یعنی اس بار میں نے ان سے اس چیز

کے متعلق پوچھا جو وہ پڑھانا چاہتے تھے۔ میں نے انکار اس لیے نہیں کیا کہ کہیں وہ پہلی بار کی طرح دوبارہ نہ بھینچ دیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم میں نے کبھی کچھ نہیں پڑھا اور نہ ہی میں ایسی کسی چیز کو جانتا ہوں جسے پڑھ سکوں۔ اس پر جبرائیل نے کہا: "پڑھیے اس رب کے نام سے جس نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ۔ پڑھیے کہ آپ ﷺ کا رب کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے سکھایا۔ تعلیم دی انسان کو اس چیز کی جسے وہ نہیں جانتا۔

درج بالا دونوں سیرت نگاروں کی آراء سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پہلی وحی سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات تھیں۔

(ب) حضرت عائشہ کی عمر اور قبول اسلام

اللہ اور اس کے رسول پر اول اول ایمان لانے والوں میں ابن عبد البر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (م 58ھ) بنت ابو بکر صدیق (م 13ھ) کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کمسن تھیں "وھی صغیرۃ" اس سے اس مشہور قول کی تردید ہوتی ہے جس کی رو سے آنحضرت ﷺ کا مدینہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شب زفاف ہوا تو ان کی عمر نو سال تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبد البر کے نزدیک یہ بات ثابت شدہ ہے کہ وہ اول بعثت میں یعنی ہجرت سے تقریباً تیرہ سال قبل اسلام لائیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ بعثت کے وقت ان کی عمر کم از کم چار سال رہی ہو تاکہ قبول اسلام میں ان کی اولیت کو تسلیم کیا جاسکے۔

ذیل میں اس حوالے سے ابن عبد البر اور دیگر سیرت نگاروں کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں۔

الدرر میں ابن عبد البر لکھتے ہیں:

ثمَّ أسلم أَبُو عُبَيْدَة الْجراح، وَأَبُو سَلمَة بْن عَبْد الْأسد، وَعُثْمَان بْن مَظْعُون، ثمَّ أَخَوَاهُ: قدامَة وَعبد الله، وَابْنه: السَّائِب بْن عُثْمَان بْن مَظْعُون، وَسَعِيد بْن زيد بْن عَمْرو بْن نفَيْل، وَأَسْمَاء بنت أبي بكر الصّديق، وَعَائِشَة بنت أبي بكر الصّديق، وَهِي صَغِيرَة،[12]

"پھر ابو عبیدہ بن جراحؓ، ابو سلمہ بن عبد الاسد، عثمان بن مظعونؓ، ان کے بھائی قدامہؓ اور عبد اللہؓ اور ان کے بیٹے سائب بن عثمانؓ بن مظعون، سعید بن زیدؓ بن عمرو بن نفیل، اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ اور عائشہ بنت ابی بکر صدیق جو اس وقت چھوٹی تھیں ایمان لائیں،"

سیرت ابن هشام کے مطابق نبی کریم ﷺ کا حضرت عائشہؓ کے ساتھ چھے یا سات سال کی عمر میں نکاح ہوا اس سے بھی یہی ظاہر ہے کہ آپؓ اولین اسلام لانے والوں میں شامل نہیں ہیں۔

وَتَزَوَّجَ رَسُولُ اللهِ صَلّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ عَائِشَةَ بِنْت أَبِي بَكْرٍ الصّدّيق بِمَكّةَ ، وَهِيَ بِنْتُ سَبْع سِنِينَ وَبَنَى بِهَا بِالْمَدِينَةِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْع سِنِينَ أَوْ عَشْرٍ وَلَمْ يَتَزَوّجْ رَسُولُ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ بِكْرًا غَيْرَهَا ، زَوّجَهُ إِيّاهَا أَبُوهَا أَبُو بَكْرٍ وَأَصْدَقَهَا رَسُولُ اللّهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ أَرْبَعَ مِئَة دِرْهَمٍ .[13]

"پھر مکہ میں نبی کریم ﷺ نے سیدہ عائشہؓ سے سے نکاح کیا جب سیدہ کی عمر چھے یا سات سال تھی۔ مدینہ میں جب ان کی عمر نو سال تھی رخصتی فرمائی اور سیدہ عائشہؓ کے علاوہ یہ کسی کنواری عورت سے شادی نہیں فرمائی۔ ابو بکرؓ نے خود حضرت عائشہؓ کی شادی نبی کریم ﷺ سے کی اور حق مہر چار سو درہم مقرر رہوا۔

علامہ حلبیؒ اپنی کتاب "انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون" میں حضرت عائشہؓ کے نکاح کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"فقال لخولة: ادعي لي رسول الله صلى الله عليه وسلم فدعته فزوجه إياها وعائشة حينئذ بنت ست سنين، وقيل سبع سنين وهو الأقرب"[14]

"حضرت ابو بکرؓ نے خولہؓ سے کہا کہ وہ نبی کریم ﷺ کو بلا لائیں پھر اسی وقت حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ کا نکاح کر دیا۔ اس وقت سیدہ عائشہؓ کی عمر 6 سال تھی بعض نے کہا کہ سات سال تھی اور یہی قول زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔"

اس قول سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہؓ بعثت کے 5 یا 6 سال بعد پیدا ہوئی اس طرح ان کو اولین اسلام قبول کرنے والوں میں شمار کرنا ابن عبد البرؒ کا تفرد ہے۔

ابن عبد البرؒ اپنی کتاب "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" میں سیرت سے متعلق ضمیمہ میں ازواج مطہرات کے بیان میں لکھتے ہیں کہ جب ہجرت کے بعد سیدہ کی رخصتی ہوئی اس وقت ان کی عمر نو سال تھی اور پھر سیدہ عائشہؓ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ بوقت رخصتی سیدہ کی عمر نو سال تھیں اس میں کسی کا اختلاف میرے علم میں نہیں ہے۔ اب یا تو الدرر والی بات درست ہے یا الاستیعاب والی ورنہ یہ ابن عبد البرؒ کا وہم ہے۔

(ج) رمضان کے روزوں کی فرضیت

اسی طرح ابن عبد البر کے نزدیک رمضان کے روزے ہجرت کے پہلے سال میں فرض ہوئے جبکہ مشہور روایت یہ ہے کہ ہجرت کے اٹھارویں مہینے میں فرض ہوئے۔ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

ثمَّ فرض صَوْم رَمَضَان سنة إِحْدَى قبل صرف الْقبْلَة بعام.[15]

رمضان المبارک کے روزے قبلہ رخ بدلنے سے ایک سال قبل نافذ کیے گیے تھے۔

حالانکہ ثقہ روایتوں کے مطابق روزے کی فرضیت کا حکم دوسری صدی ہجری میں تحویلِ کعبہ کے واقعہ سے دس روز بعد ماہِ شعبان میں نازل ہوا۔ روزوں کی فرضیت کے متعلق مختلف آراء درج ذیل ہیں۔

معروف سیرت نگار علامہ حلبیؒ لکھتے ہیں:

أي ثم في السنة المذكورة التي هي الثانية فرض صوم رمضان، وفرضت زكاة الفطر، وطلبت الأضحية، أي استحبابا وعن أبي سعيد الخدري﵁ فرض شهر رمضان بعد ما صرفت القبلة إلى الكعبة بشهر في شعبان، أي على ما تقدم[16]

"پھر اسی سال یعنی دو ہجری میں روزے اور صدقہ فطر کا حکم نازل ہوا، نیز استحباباً قربانی کا حکم نازل ہوا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رمضان کے روزے قبلہ کی بیت المقدس کی طرف تبدیلی کے ایک مہینہ بعد شعبان کے مہینے میں فرض ہوئے۔"

ادریس کاندھلوی اپنی کتاب سیرت مصطفیٰ ﷺ میں رمضان کے روزوں کے فرضیت کے متعلق لکھتے ہیں۔

اسی سال یعنی 2 ہجری میں شعبان کے آخری عشرہ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے[17] اور یہ آیت نازل ہوئی:

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَ الۡفُرۡقَانِ ۚ- فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡکُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ ؕ-وَ مَنۡ کَانَ مَرِیۡضًا اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ-یُرِیۡدُ اللّٰهُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ۫-وَ لِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّۃَ وَ لِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمۡ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ۔[18]

رمضان کے مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہے اور فیصلے کی روشن باتوں (پر مشتمل ہے۔) جو کوئی تم میں سے یہ مہینہ پائے تو ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں سے تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا تاکہ تم (روزوں کی) تعداد پوری کر لو اور تم اس بات پر اللہ کی بڑائی بیان کرو اور اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے صوم عاشورا یعنی دسویں محرم کا روزہ رکھنے کا حکم دیا جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو حکم دیا اب یوم عاشور کے متعلق اختیار ہے چاہے روزہ رکھے چاہے افطار کرے۔[19]

علامہ حافظ ابن قیم سیرت النبی ﷺ پر اپنی معروف کتاب زاد المعاد میں لکھتے ہیں کہ "روزوں کی فرضیت کو اسلام کے عہد وسط تک مؤخر کیا گیا تاکہ قلوب توحید اور نماز پر جم جائیں اور قرآن کے اوامر سے مالوف ہو جائیں، لہٰذا روزے ہجرت کے

دوسرے سال میں فرض کیے گئے چنانچہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی آپ ﷺ نو رمضانوں کے روزے رکھ چکے تھے[20]

روزوں کی فرضیت سے متعلق درج بالا مختلف آراء سے پتا چلتا ہے کہ روزوں کی فرضیت پر اکثر سیرت نگاروں کا اتفاق ہے لیکن ابن عبد البر کے نزدیک روزے ہجرت کے پہلے سال فرض ہوئے ہیں یہ ابن عبد البر کے تفردات میں سے ایک اہم تفرد ہے۔

(د) خیبر کی فتح: صلح کے ذریعے یا زبردستی؟

خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خیبر مکمل جنگ کے بعد فتح ہوا۔

هَذَا هُوَ الصَّحِيح فِي أَرض خَيْبَر أَنَّهَا كَانَت عنْوَة كلهَا مَغْلُوبًا عَلَيْهَا بِخِلَاف فدك وَأَن رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قسم جَمِيع أرْضهَا على الْغَانِمين لَهَا الموجفين بِالْخَيْلِ والركاب، وهم أهل الْحُدَيْبِيَة. وَلم يخْتَلف الْعلمَاء أَن أَرض خَيْبَر مقسومة، وَإِنَّمَا اختلفُوا هَل تقسم الأَرْض إِذا غنمت الْبِلَاد أَو توقف؟[21]

خیبر کی سرزمین کے بارے میں درست بات یہی ہے کہ فدک کے علاوہ سب کو بزور بازو ہی فتح کیا گیا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو تمام حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس کی زمین ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور اس پر قبضہ کیا تھا۔ اور وہ سب حدیبیہ والے ہیں۔ علمائے کرام کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں تھا کہ خیبر کی زمین تقسیم ہوئی ہے، بلکہ اختلاف یہ ہے کہ مال غنیمت میں ملی ہوئی زمین تقسیم کی جائے گی یا نہیں؟

سیرت مصطفیٰ میں اس ختلاف کی وضاحت کچھ یوں ہے: شوافع کے نزدیک خیبر کا نصف قہراً فتح ہوا اور نصف صلحاً فتح ہوا۔ پس جو حصہ قہراً فتح ہوا اسی کو آپ ﷺ نے مجاہدین پر تقسیم فرمایا لیکن جو صلحاً فتح ہوا وہ تقسیم نہیں فرمایا مگر تمام روایات سیرت اور احادیث میں اس امر کی تصریح ہے کہ سارا خیبر سخت مقابلے اور شدید مقاتلے کے بعد ہی فتح ہوا۔ جب یہود مقابلے سے مجبور ہو گئے تب قلعوں سے نیچے اترے اور ہر قسم کی ملک اور اختیار سے دستبرداری کا اظہار کیا۔ اسی طرح امام مالک کے نزدیک بھی نصف خیبر قہراً اور نصف صلحاً فتح ہوا۔ لیکن اس سے مراد اصطلاحی صلح نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اول تو یہود نے مقابلہ اور مقاتلہ کیا لیکن جب دیکھا کہ اب مقابلے کی طاقت نہیں ہے تو ہتھیار ڈال دیے اور لڑائی ختم کرنے کی درخواست کی اس نہ لڑنے اور صلح کرنے کو بعض علماء نے صلح سے تعبیر کیا ہے۔[22]

موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تقریباً پندرہ دن تک خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کیے رکھا۔ بعض قلعے مصالحت کے ذریعے فتح ہوئے اور بعض جنگ کے ذریعے اور یہی قول ابن شہاب کا ہے۔ لیکن ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کی ساری زمینیں تقسیم کی تھیں کیونکہ آپ ﷺ نے زیادہ تر زمینیں بزور بازو ہی حاصل کی تھی۔

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ خیبر کے بارے میں یہی بات درست ہے کہ ساری زمین بزور بازو فتح ہوئی تھی لیکن فدک کا معاملہ اس سے برعکس ہے۔"

قال أبو عمر: هذا هو الصحيح في أرض خيبر أنها كانت عنوة كلها مغلوبا عليها بخلاف فدك۔"

پھر لکھتے ہیں:

وروى مالك عن زيد بن أسلم عن أبيه، قال: سمعت عمر يقول: لولا أن يترك آخر الناس لا شيء لهم ما افتتح المسلمون قرية إلا قسمته سهمانا كما قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر سهمانا۔

"امام مالک نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میرے والد اسلمؒ نے حضرت عمرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ بعد والے لوگ حصے سے محروم ہو جائیں گے تو میں کافروں سے فتح کی گئی تمام بستیاں مسلمانوں میں تقسیم کر دیتا جیسے آپ ﷺ نے خیبر کو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔

اس روایت کو پیش کرنے کے بعد ابن عبد البر لکھتے ہیں:

وهذا يدل على أن أرض خيبر قسمت كلها سهمانا كما قال ابن إسحاق. وأما قول من قال إن خيبر كان بعضها صلحا وبعضها عنوة، فقد وهم وغلط،

"یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ خیبر کی تمام زمین حصوں میں تقسیم کی گئی جیسا کہ ابن اسحاق کا قول ہے۔ جو بندہ بھی اس بات کا قائل ہے کہ کچھ زمین صلح کے ذریعے اور کچھ لڑ کر ہاتھ آئی تھی تو یہ اس کا وہم ہے۔[23]

(ہ) بنو مصطلق کا معرکہ: تاریخ کی روشنی میں

غزوہ بنو مصطلق کے بارے میں بھی ابن عبد البرؒ کے رائے عام سیرت نگاروں کی رائے سے مختلف ہے مؤلف کے مطابق غزوہ مصطلق ہجرت کے چھٹے سال ماہ شعبان میں ہوا۔ یہ غزوہ جنگی نقطۂ نظر سے تو اتنا اہم نہیں ہے مگر کچھ اور وجوہات کی بنا پر اس غزوہ کی بہت اہمیت ہے۔ اس میں چند واقعات ایسے رُونما ہوئے جن کی وجہ سے ایسے تعزیری قوانین

نازل ہوئے جن سے اسلامی معاشرے کو شرف وعظمت اور پاکیزگی کے لیے سامان بہم مہیا ہوا۔ اور دوسری طرف منافقین کے نفاق کا بھی پردہ چاک ہوا۔

عام اہل سیر جن میں قتادہؒ عروہ بن زبیرؒ ابن شہاب زہری شامل ہیں ان کے بقول غزوہ بنو مصطلق شعبان ۵ھ میں ہوا۔ لیکن ابن عبد البر اس بارے میں لکھتے ہیں:

ثم أقام رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة باقي جمادى الأول ورجبا، ثم غزا بني المصطلق في شعبان من السنة السادسة من الهجرة ۔[24]

"پھر نبی کریم ﷺ نے جمادی الاولیٰ کے بقیہ ایام اور رجب کا مہینہ مدینہ طیبہ میں گزارا۔ اس کے بعد ہجرت کے چھٹے سال ماہ شعبان میں بنو مصطلق کے خلاف لشکر کشی کی۔"

دوسرے مقام فرماتے ہیں:

وقد اختلف في وقت هذه الغزاة، قيل: كانت قبل الخندق وقريظة وقيل: كانت بعد ذلك وهو الصواب إن شاء الله.[25]

"یہ غزوہ کب ہوا؟ اس میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ غزوہ خندق اور قریظہ سے قبل ہوا دوسرا قول ہے کہ ان کے بعد ہوا۔ ان شاء اللہ دوسرا قول ہی درست ہے۔"

اب دیکھتے ہیں کہ دوسرے سیرت نگاروں کے ہاں اس واقعہ کے متعلق کیا رائے پائی جاتی ہے۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری صاحب نے بھی اس غزوے کے متعلق دونوں اقوال کا ذکر کیا ہے۔

كانت هذه الغزوة في شعبان سنة خمس عند عامة أهل المغازي، وسنة ست على قول ابن إسحاق[26]

"اکثر مغازی نگاروں نے اس غزوہ کا وقوع 5 ہجری میں بیان کیا ہے جب کہ ابن اسحاق کے مطابق یہ غزوہ 6 ہجری میں ہوا"

ابن ہشام اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ میں غزوہ بنو مصطلق کے بارے میں ابن اسحاق کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ إسْحَاقَ : فَأَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ بِالْمَدِينَةِ بَعْضَ جُمَادَى الْآخِرَةِ وَرَجَبًا ، ثُمّ غَزَا بَنِي الْمُصْطَلِقِ مِنْ خُزَاعَةَ ، فِي شَعْبَانَ سَنَةَ سِتّ .[27]

"ابن اسحاق نے کہا: کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں جمادی الآخر اور رجب کا مہینہ گزار کر شعبان 6 ہجری میں خزاعہ کی شاخ بنی مصطلق پر جہاد کی تیاری فرمائی۔

ابن اسحاق اور ابن عبد البرؒ کے بقول یہ غزوہ ۶ھ میں پیش آیا۔ اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اسی غزوہ سے واپسی میں افک کا واقعہ پیش آیا۔ اور یہ واقعہ حضرت زینب سے نبی ﷺ کی شادی اور مسلمان عورتوں کے لیے پردے کا

حکم نازل ہونے کے بعد پیش آیا تھا۔ چونکہ حضرت زینب کی شادی ۵ھ کے بالکل اخیر میں یعنی ذی قعدہ یا ذی الحجہ ۵ھ میں ہوئی تھی۔ اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ غزوہ شعبان ہی کے مہینے میں پیش آیا تھا، اس لیے یہ ۵ھ کا شعبان نہیں بلکہ ۶ھ ہی کا شعبان ہو سکتا ہے۔

دوسری طرف جو لوگ اس غزوہ کا زمانہ شعبان ۵ھ بتاتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث افک کے اندر اصحابِ افک کے سلسلے میں حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے درمیان سخت کلامی کا ذکر موجود ہے۔ اور معلوم ہے کہ سعد بن معاذؓ ۵ھ کے اخیر میں غزوۂ بنو قریظہ کے بعد انتقال کر گئے تھے۔ اس لیے واقعہ افک کے وقت ان کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غزوہ ۶ھ میں نہیں بلکہ ۵ھ میں پیش آیا۔

فریقِ اول اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ حدیث افک میں حضرت سعد بن معاذؓ کا ذکر راوی کا وہم ہے۔ کیونکہ یہی حدیث حضرت عائشہؓ سے ابن اسحاق نے بہ سند زہری عن عبد اللہ بن عتبہ عن عائشہؓ روایت کی ہے تو اس میں سعد بن معاذ کے بجائے اسید بن حضیرؓ کا ذکر ہے۔ چنانچہ امام ابو محمد بن حزمؒ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ یہی صحیح ہے۔ اور سعد بن معاذ کا ذکر وہم ہے۔[28]

علامہ حلبیؒ نے اپنی کتاب "انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون" میں اس غزوے کے متعلق درج ذیل رائے پیش کی ہے۔

> **وكان في شعبان لليلتين خلتا منه سنة خمس من الهجرة، وقيل أربع كما في البخاري نقلا عن ابنِ عقبة، وعليهِ جرى الإمام النووي في الروضة. قال الحافظُ ابنُ حجر: وكأنه سبق فلم أراد أن يكتب سنة خمس من الهجرةِ فكتب سنة أربع، لأن الذي في مغازي ابن عقبةَ من عِدة طرق سنة خمس، وَقيلَ سنة ست، وأن عليه أكثر المحدثين۔**[29]
>
> "یہ واقعہ شعبان پانچ ہجری کا ہے۔ بلکہ ایک قول کے مطابق 4 ہجری کا ہے جیسا کا صحیح بخاری میں ذکر ہے جو ابن عقبہ کی روایت ہے اور امام نووی نے اپنی کتاب روضہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ شاید راوی کی سبقت قلم ہے کہ پانچ ہجری کی جگہ چار ہجری لکھا گیا ہے۔ کیونکہ مغازی ابن عقبہ میں مختلف سندوں سے جو روایت پیش کی گئے ہے وہ پانچ ہجری کی ہے۔ ایک قول 6 ہجری کا بھی ہے اور اس پر اکثر محدثین کا اتفاق ہے۔

درج بالا آراء کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابن عبد البر اپنے سابق اور معاصر سیرت نگاروں سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ اگرچہ اکثر محدثین کے ساتھ وہ متفق ہیں لیکن اس غزوے سے متعلق مشہور قول 5 ہجری کا ہی ہے۔

(و) غزوہ قرقرہ الکدر اور غزوہ سویق

غزوہ قرقرہ الکدر کے بارے میں ابن عبد البر کی رائے دیگر سیرت نگاروں سے مختلف ہے مؤلف غزوہ سویق اور غزوہ قرقرہ کُدر کو ایک ہی غزوہ شمار کرتے ہوئے اسے غزوہ سویق قرار دیتے ہیں۔جب کے اکثر سیرت نگاروں نے اسے دو الگ الگ غزوات شمار کیا ہے۔

ابن عبد البر لکھتے ہیں:

ثمَّ إِن أَبَا سُفْيَان لما انْصَرف فل بدر آلى أَن يَغْزُو رَسُول لله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَخرج فِي مِائَتي رَاكب حَتَّى أَتَى العريض فِي طرف الْمَدِينَة، فَحرق أصوارا من النّخل، وَقتل رجلا من الْأَنْصَار وحليفا لَهُ وجدهما فِي حرث لَهما، ثمَّ كرّ رَاجعا.ثمَّ نفر رَسُول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ والمسلمون فِي أَثَره، وَاسْتعْمل على الْمَدِينَة أَبَا لبَابَة بن عبد الْمُنْذر. وَبلغ رسولُ الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرْقَرَةَ الْكُدْرِ. وَفَاتَهُ أَبُو سُفْيَان وَالْمُشْرِكُونَ، وَقد طرحوا سويقا كثيرا من أَزْوَادهم، يتخففون بذلك، فَأَخذه الْمُسلمُونَ، فسميت غَزْوَة السويق: [30]

"اس غزوے کا پس منظر یہ ہے کہ ابوسفیان کو جب میدان بدر میں قریش کی شکست کی خبر ملی تو وہ نبی کریم ﷺ پر حملہ کی غرض سے دو سو سوار لے کر نکلا اور مدینہ کے قریب عُریض کے مقام پر پہنچ کر وہاں موجود کھجور کے درختوں چھوٹے جھنڈ جلا دیے اور ایک انصاری صحابی اور اس کے حلیف کو قتل کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کو جب پتا چلا تو آپ ﷺ مجاہدین کو لے کر اس کے تعاقب کو نکلے۔مدینہ میں آپ ﷺ نے ابو لُبابہ بن عبد المنذر کو اپنا نائب مقرر کیا۔جب آپ ﷺ قرقرہ کُدر کے کے مقام پر پہنچے تو پتا چلا ابو سفیان اور اس کے مشرک ساتھی بچ نکلے ہیں۔مشرکین نے بھاگتے ہوئے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے اپنا زاد راہ جس میں کثیر مقدار میں ستو تھے راستہ میں پھینک دیا جو مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا۔اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوہ سویق بھی کہا جاتا ہے۔"

ابن عبد البر کا اس غزوہ کو ایک ہی غزوہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سفر کرتے ہوئے قرقرہ الکدر پہنچے تھے لیکن زیادہ تر سیرت نگاروں نے انہیں دو الگ الگ غزوات شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ غزوہ سویق ذوالحجہ میں ہوا تھا اور غزوہ قرقرہ ہجرت کے 23 ویں مہینے کی ابتداء میں نصف محرم میں ہوا تھا۔ابن ہشام نے غزوہ سویق اور غزوہ قرقرہ الکدر کو الگ الگ غزوات بیان کیا ہے۔محمد بن اسحاق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو سات دن سے زیادہ قیام نہیں فرمایا پھر بذات خود بنی سلیم کا ارادہ فرمایا۔ابن ہشام لکھتے ہیں کہ مدینہ پر آپ ﷺ نے سباع بن عرفطہ الغفاری یا ام مکتوم کو حاکم بنایا تھا۔ابن اسحاق نے کہا کہ اس کے بعد آپ ﷺ ان کے چشموں میں سے ایک کدر نامی چشمے پر پہنچے جہاں آپ ﷺ نے تین دن تک قیام فرمایا۔پھر آپ ﷺ مدینہ واپس آگئے اور کوئی مقابلہ نہیں ہوا۔اس کے

بعد ابن ہشام نے غزوہ سویق کے عنوان سے الگ غزوے کا ذکر شروع کیا ہے لکھتے ہیں کہ (راوی نے) کہا ہے کہ ہم سے ابو محمد عبد الملک بن ہشام نے کہا کہ ہم سے زیاد بن عبد اللہ البکائی نے ابن اسحاق کی روایت بیان کی ہے انہوں نے کہا ہے کہ اس کے بعد ابو سفیان بن حرب نے ذالحجہ میں جنگ سویق کی۔ اور اس سال کا حج مشرکوں کی زیر نگرانی رہا۔[31] ابن ہشام نے تفصیل کے ساتھ دونوں غزوات کے حالات و واقعات کو قلمبند کیا ہے جن کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ علامہ حلبی نے بھی ان دونوں غزوات کو الگ الگ شمار کیا ہے۔ باب چہل اور پنجم کا عنوان ہی غزوہ سویق کے نام سے ہے اور باب پنجم اور ششم کا عنوان غزوہ قر قرۃ الکدر لکھا ہے۔ اور دونوں واقعات کو مکمل تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔[32]

خلاصہ بحث

مذکورہ بحث سے آپ با آسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ابن عبد البر کے تفردات میں ان کا علمی مرتبہ اور ماخذ تک رسائی کس قدر ہے۔ ان کے تمام منفرد خیالات اور ان کے ماخذ کی بابت جان کر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے یہ خیالات ایک تبحر عالم دین اور ایک محقق کے خیالات ہیں جو یقیناً بڑا وزن رکھتے ہیں اور اکثر مقامات پر مؤلف کی رائے مشہور قول سے مختلف ہونے کے باوجود بھی قابل قبول ہے اور متاخرین کے ہاں راجح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب "الدرر فی اختصار المغازی والسیر" مہتم بالشان ہے اور سیرت نبویہ کا ایک اہم ترین ماخذ ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

(References)حوالہ جات

[1] ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، **الاستیعاب** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2010ء)، 1:10۔

Ibn ʻAbd al-Barr, Yūsuf bin ʻAbdullah, *Al-Isti'ab* (Beīrūt: Dār al-Kitāb al-Ilmīyaḥ, 2010), 1: 10.

[2] معلم بطرس البستانی، **دائرۃ المعارف** (بیروت: دار المعرفہ، س-ن)، 1:585۔

Muʻalim Biṭras al-Bistānī, Dāʻirat al-Maʻārif (Beīrūt: Dār al-Marifaḥ,S.N), 1: 585.

[3] ابن خلکان، احمد بن محمد بن ابراہیم، **وفیات الاعیان** (بیروت: دار الفکر، س-ن)، 3:71۔

Ibn Khallikān , Aḥmad ibn Muḥammad ibn Ibrāhīm, *wafayāt al-aʻyān* (Beīrūt: Dār Al-Fikar, S.N)), 3: 71.

[4] اصلاحی ضیاء الدین، **تذکرۃ المحدثین** (لاہور: مطبوعہ گرین وے پرنٹر، 1987ء)، 2:40۔

Iṣlāḥī Zīā-ad-Dīn, *Tazkrit al-Muḥadīthīen* (Lāḥore: Maṭbūaḥ Grīnway Printer, 1987), 2:40.

[5] ڈاکٹر شوقی ضیف، **نقوش رسول نمبر**، مدیر محمد طفیل، (لاہور: ادارہ فروغ اردو)، 623۔

Dr. Shaūqī Ẓaīf, *Naqūsh-e- Rasūl Number*, edited by Muḥammad Tufaīl, (Lāhore: Idāraḥ Faraog Urdu), 623.

[6] ڈاکٹر شوقی ضیف، **نقوش رسول نمبر**، 623۔

Dr. Shaūqī Ẓaīf, *Naqūsh-e- Rasūl Number*, 623.

[7] ابن عبد البر، **الدرر فی اختصار المغازی والسیر** (القاہرہ: دار المعارف، 1403ھ)، 27۔

Ibn ʻAbd al-Barr, *Al-Durar* fī Ikhtāṣār Al-Maghāzī wa al-Sīar (Al-Qāḥiraḥ: Dār al-Ma'arifa, 1403 AH), 27.

[8] ابن عبد البر، **الدرر**، 28

Ibn ʻAbd al-Barr, *Al-Durar*, 28

[9] المدثر 74: 1-5

Al-Mudathir 74: 1-5

[10] ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ** (پشاور: مکتبہ نعمانیہ)، 3: 644۔

Ibn-e-Ḥishām, *Al-Sīra Al-Nabawiyya* (Pishāwar: Maktaba Numāniyah), 3: 644.

[11] الحلبی علی بن برھان، **السیرۃ الحلبیہ** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1427ھ)، 1: 491۔

Al-Halbi, ʿAli Bin Burhan, *As-Sīrah Al Halbiah* (Beīrūt: Dār al-Kitāb al-Ilmīya, 1427 AH), 1: 491.

[12] ابن عبد البر، **الدرر**، 39

Ibn ʻAbd al-Barr, *Al-Durar*, 39

[13] ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، 1: 237۔

Ibn-e-Ḥishām, *Al-Sīra Al-Nabawiyya*, 1:237.

[14] الحلبی، **السیرۃ الحلبیہ**، 2: 183۔

Al-Halbi, *As-Sīrah Al Halbiah*, 2: 183.

[15] ابن عبد البر، **الدرر**، 97۔

Ibn ʻAbd al-Barr, *Al-Durar*, 97.

[16] الحلبی، **السیرۃ الحلبیہ**، 2: 183۔

Al-Halbi, *As-Sīrah Al Halbiah*, 2: 183.

[17] کاندھلوی، محمد ادریس، سیرت **المصطفیٰ** (لاہور: مکتبۃ العلم)، 2: 433۔

Kāndhlavī, Muḥammad Idrīs, *Sīrat al-Muṣṭafā* (Lahore: Maktaḥ-all-Ilam), 2: 433.

[18] البقرۃ 2: 185۔

Al-Baqarah 2: 185.

[19] کاندھلوی، سیرت **مصطفیٰ**، 2: 433۔

Kāndhlavī, *Sīrat al-Muṣṭafā*, 2: 433.

[20] ابن القیم، **زاد المعاد** (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1406ھ)، 3: 352۔

Ibn al-Qayyīm, Zād al-Ma'ād, (Beīrūt: Mu'assisaḥ Al-Risālaḥ, 1406 AH), 3: 352.

[21] ابن عبد البر، **الدرر**، 202۔

Ibn ʻAbd al-Barr, *Al-Durar*, 202.

[22] کاندھلوی، سیرت **مصطفیٰ**، 2: 442۔

Kāndhlavī, *Sīrat al-Muṣṭafā,*, 2: 442.

[23] ابن عبد البر، **الدرر**،200۔

Ibn ʻAbd al-Barr, *Al-Durar*, 200.

[24] ابن عبد البر، **الدرر**،188۔

Ibn ʻAbd al-Barr, *Al-Durar*, 188.

[25] ابن عبد البر، **الدرر**،189۔

Ibn ʻAbd al-Barr, *Al-Durar*, 189.

[26] مبارک پوری، صفی الرحمٰن، **الرحیق المختوم** (بیروت: دار الھلال)،298۔

Mubārakpurī, Ṣafī al-Rehmān, *Al-Raḥīq al-Makhtūm* ((Beirīt: Dār al-Hilāl), 298.

[27] ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**،2:289۔

Ibn-e-Ḥishām, *Al-Sīra Al-Nabawiyya,* 2: 289.

[28] ابن عبد البر، **الدرر**،188۔

Ibn ʻAbd al-Barr, *Al-Durar*, 188.

[29] الحلبی، **سیرت حلبیہ**،2:378۔

Al-Halbi, *As-Sīrah Al Halbiah*, 2: 378.

[30] ابن عبد البر، **الدرر**،139۔

Ibn ʻAbd al-Barr, *Al-Durar,* 139.

[31] ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**،2:427۔

Ibn-e-Ḥishām, *Al-Sīra Al-Nabawiyya*, 2:427.

[32] الحلبی، **السیرۃ الحلبیۃ**،2:121۔

Al-Halbi, *As-Sīrah Al Halbiah*, 2: 121.